Version No.			

ROLL NUMBER						

Answer Sheet No.____________

Sign. of Candidate ___________

Sign. of Invigilator ___________

اردو(لازمی) برائے گیارہویں جماعت (3rd Set)

ماڈل سوالیہ پرچہ (کریکلم 2006ء)

حصہ اوّل (کل نمبر:20، وقت:25منٹ)

حصہ اول لازمی ہے۔ اس کے جوابات اسی صفحہ پر دے کر ناظم مرکز کے حوالے کریں۔ کاٹ کر دوبارہ لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ **لیڈ پنسل کا استعمال ممنوع ہے۔**

سوال نمبر 1: ہر جزو کے سامنے دیے گئے درست دائرہ کو پر کریں۔

(1) ہستی اپنی حباب کی سی ہے یہ نمائش سراب کی سی ہے۔ علم بیان کے حوالے سے یہ شعر کس کی مثال ہے؟

(A) تشبیہ ○ (B) استعارہ ○
(C) کنایہ ○ (D) مجاز مرسل ○

(2) روزمرہ کس کی بول چال کا نام ہے؟

(A) اہلِ دل کی ○ (B) اہلِ عشق کی ○
(C) اہلِ زبان کی ○ (D) اہلِ کتاب کی ○

(3) طالب علموں نے بازار سے خریداری کی۔ اس جملے میں متعلق فعل کون سا ہے؟

(A) طالب علموں ○ (B) نے ○
(C) بازار سے ○ (D) خریداری کی ○

(4) "آجانا، پھوٹ پڑنا، چھپا رہنا" کون سے مرکبات ہیں؟

(A) مرکبِ عددی ○ (B) مرکبِ توصیفی ○
(C) مرکب مصادر ○ (D) حاصل مصدر ○

(5) درج ذیل میں سے کس صنفِ سخن کا ہر شعر الگ موضوع کا حامل ہوتا ہے؟

(A) مرثیہ ○ (B) رباعی ○
(C) غزل ○ (D) قصیدہ ○

FBISE SOLVED PAST PAPERS

(6) درج ذیل میں سے کس ادبی اصطلاح میں لفظوں کے معنی حقیقی طور پر استعمال ہوتے ہیں؟

(A) استعارہ ○ (B) کنایہ ○

(C) تشبیہ ○ (D) محاورہ ○

(7) اگر کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے کیا کہیں گے؟

(A) تشبیہ ○ (B) استعارہ ○

(C) تلمیح ○ (D) قافیہ ○

(8) صنفِ ادب "انشائیہ" میں کسے مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے؟

(A) انشائیہ نگار کو ○ (B) مکالمات کو ○

(C) مناظر کو ○ (D) کرداروں کو ○

(9) کس صنعت میں قرآنی آیت، حدیث یا تاریخی مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ؟

(A) صنعت لف ونشر ○ (B) صنعت تضاد ○

(C) صنعت تلمیح ○ (D) صنعت تضمین ○

(10) وہ نظم جس کے ہر بند میں مصرعوں کی تعداد پانچ ہو، ہیئت کے اعتبار سے اُسے کیا کہتے ہیں؟

(A) مخمس ○ (B) مسدس ○

(C) ترجیع بند ○ (D) ترکیب بند ○

(11) قواعد کی رو سے "آبِ حیات" کیا ہے؟

(A) تشبیہ ○ (B) استعارہ ○

(C) تلمیح ○ (D) روزمرہ ○

(12) غیر حقیقی تذکیر و تانیث کی رو سے ذیل میں کون سا لفظ مؤنث ہے؟

(A) کرسی ○ (B) پانی ○

(C) گھی ○ (D) جوتا ○

(13) "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"، اس مصرع سے کون سی صنعت مراد ہے؟

(A) صنعتِ تضمین ○ (B) صنعتِ تلمیح ○

(C) صنعتِ لف ونشر ○ (D) صنعتِ حسنِ تعلیل ○

(14) غزل کے کم از کم اشعار کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟

(A) تین ○ (B) پانچ ○

(C) سات ○ (D) نو ○

(15) "وحدتِ تاثر" کس نثری صنف کے لوازم میں شامل ہے؟

(A) افسانہ ○ (B) ناول ○

(C) داستان ○ (D) سوانح ○

(16) مطلع کن اصنافِ شعری کے پہلے شعر کو کہا جاتا ہے؟

(A) مثنوی اور قصیدہ ○ (B) مثنوی اور غزل ○

(C) غزل اور قصیدہ ○ (D) غزل اور شہر آشوب ○

FBISE SOLVED PAST PAPERS

(17) " سمجھ مجھ کو رائیگاں نہ سمجھ   نہ سہی تیرے کام کا نہ سہی" اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(A) صنعتِ تلمیح ○ (B) صنعت لف و نشر ○

(C) صنعت تضاد ○ (D) صنعتِ تکرار ○

(18) اگر کسی مسدس نظم کے ہر بند میں ایک شعر بعینہ بار بار دہرایا جائے تو ہیئت کے اعتبار سے اسے کیا کہیں گے؟

(A) مسدس ترجیع بند ○ (B) مسدس ترکیب بند ○

(C) مسدسِ حالی ○ (D) مسدس تقطیع ○

(19) "باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے" اس مصرع میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(A) صنعتِ تضاد ○ (B) صنعتِ تضمین ○

(C) صنعتِ تلمیح ○ (D) صنعتِ ایہام ○

(20) "ہم آپ کی چشمِ عنایت کے محتاج ہیں۔" اس میں علمِ بیان کی کون سی خوبی استعمال ہوئی ہے؟

(A) تشبیہ ○ (B) استعارہ ○

(C) کنایہ ○ (D) مجاز مرسل ○

FBISE SOLVED PAST PAPERS

فیڈرل بورڈ امتحان برائے گیارہویں جماعت

اردو (لازمی) ماڈل سوالیہ پرچہ (کریکلم 2006)

وقت: 2:35 گھنٹے — کل نمبر: 80

نوٹ: حصہ دوم اور سوم میں دیے گئے سوالات کے جوابات علیحدہ سے مہیا کی گئی جوابی کاپی پر دیں۔ آپ کے جوابات صاف اور واضح ہونے چاہئیں۔

حصہ دوم (کل نمبر 48)

سوال نمبر 2: (الف) حصہ نثر:

عبارت پڑھ کر آخر میں دیے گئے سوالات میں سے چھ کے مختصر جوابات لکھیں: (6 x 4 = 24)

ساڑھے بارہ بج رہے ہیں اور دھوپ خاصی تیز ہو گئی ہے۔ دارائے اعظم کا شہر عذار سامنے ہے۔ حدِ نظر تک محلوں کے خرابے اور ستونوں کی قطاریں نظر آتی ہیں۔ ڈھائی ہزار سال پہلے یہیں تیسرے دارا اور اسکندرِ اعظم کی فوجوں کا یُدھ ہوا تھا اور دارا زخمی ہو کر اسی جگہ کھیت رہا تھا جہاں اب پیپسی کولا کا سٹال ہے۔ پیپسی کولا تو ایک طرف اس وقت اس غریب کے منہ میں کوئی پانی چوانے والا بھی نہ تھا۔ یہ جو امریکی ایمبولینس یہاں کھڑی ہے، بہت بعد میں پہنچی اور شیراز کا مشہور نمازی ہسپتال بھی کوئی ڈھائی ہزار سال دیر سے بنا۔ دارا سے بھی ہماری ملاقات پرانی ہے۔ اس زمانے میں ہم سکول کی ابتدائی جماعتوں میں پڑھتے تھے۔ اسکندر اعظم کے ہاتھوں دارا کی شکست اور تباہی کا حال پڑھ کر چنداں افسوس نہ ہوا تھا کیونکہ اسکندر اعظم کو ہم مسلمان سمجھتے تھے۔۔۔۔۔۔ اسکندر اعظم پر ہی کیا موقوف ہے جتنے ناموں میں ف، ق، غ، ظ وغیرہ آئیں وہ ہندو تو بہر حال نہیں ہو سکتے تھے مثلاً فیلقوس، ارسطو، افلاطون، فیثا غورث، سقراط، بقراط اور ان دنوں ہمارے نزدیک قومیں فقط دو تھیں: ہندو اور مسلمان۔ افسوس ہوتا تھا کہ اسکندر دریائے بیاس کے مغربی کنارے سے کیوں لوٹ گیا۔ ہمارا گاؤں بیاس کے مشرق میں کوئی زیادہ دور تھوڑی تھا۔ "اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما"۔

سوالات:

i. دارائے اعظم کے شہر عذار کا مختصر حال بیان کریں۔

جواب: مصنف جب تخت جمشید پہنچا تو ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور دھوپ خاصی تیز تھی دارائے اعظم کا شہر عذار نظروں کے سامنے تھا۔ تا حدِ نظر محلوں کے کھنڈرات اور ستونوں کی قطاریں دکھائی دے رہی تھیں ڈھائی ہزار سال پہلے اسی مقام پر تیسرے دارا اور سکندر اعظم کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ہوا تھا۔

ii. اسکندرِ اعظم کی جنگ کس دارا سے ہوئی؟

جواب: سکندر اعظم کی جنگ دارا نسل کے بادشاہوں میں سے تیسرے دارا کے ساتھ ہوئی۔ دارا سوم دراصل ہخامنشی خاندان کا تیسرا اور آخری بادشاہ تھا۔ شہر عذار میں اس نے شکست کھائی اور مارا گیا، یوں ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

iii. اسکندرِ اعظم اور اس سے ملتے جلتے ناموں کو مصنف مسلمان کیوں سمجھتے تھے؟

جواب: اسکندر اعظم اور اس کے ملتے جلتے ناموں کو مصنف اس لیے مسلمان سمجھتا تھا کہ یہ نام اور دیگر حروف تہجی، جن کا ذکر مصنف نے عبارت میں کیا ہے وہ سب عربی ہیں اس لیے وہ ہندو تو ہر گز نہیں ہو سکتے۔ ایک زمانے میں ان کے نزدیک قومیں صرف دو ہی تھیں ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ اس لیے ان کی معلومات کا دائرہ ان ہی دو قوموں تک محدود تھا۔ اس بات کو مصنف نے عبارت میں ہلکے پھلکے مزاح کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

iv. "اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما" اس جملے کی وضاحت کریں۔

جواب: اس فارسی جملے کا مفہوم یہ ہے کہ "آپ کا آنا میرے لیے خوشی کا باعث ہے"۔ یہاں بھی مصنف نے مزاح سے کام لیتے ہوئے اپنے بچپن کی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ انہیں افسوس ہوتا تھا کہ سکندر اعظم دریائے بیاس کے مغربی کنارے سے واپس کیوں چلا گیا جب کہ ان کا گاؤں دریا کے مشرقی کنارے پر مغربی کنارے سے زیادہ دور نہیں تھا اور اگر سکندر اعظم ان کے گاؤں سے بھی گزرتا تو یہ ان کی خوش نصیبی ہوتی کیونکہ وہ سکندر اعظم کو مسلمان سمجھتے تھے۔

FBISE SOLVED PAST PAPERS

v. مصنف کے خیال میں کون کون سی سہولتیں دیر سے وجود میں آئیں؟

جواب: مصنف کے خیال میں جس وقت سکندر اعظم اور دارا سوم کے درمیان آخری معرکہ جس مقام پر ہوا اور دارا شکست کھا کر موت کے منھ میں چلا گیا اس مقام پر ایک جدید ہسپتال بن گیا ہے، وہاں ایک امریکی ایمبولینس بھی کھڑی ہے۔ اس مقام پر اب ایک پیپسی کولا کا سٹال بھی ہے ورنہ ڈھائی ہزار سال پہلے تو موت کے وقت یہاں دارا کے منھ میں پانی کے چند قطرے ٹپکانے کی سہولت بھی موجود نہیں تھی۔ یہ موجودہ سہولتیں تو بہت بعد میں یہاں وجود میں آئیں۔

vi. ان تراکیب کا مفہوم بیان کریں: شہر عذار، یُدھ ہونا، کھیت رہنا، پانی چوانے والا

جواب: **شہر عذار:** شہر عذار یا تختِ جمشید ایران کے قدیم فرمارواؤں کا عظیم الشان شہر جو شیراز سے چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سکندر اعظم نے دارا سوم کو یہیں پر شکست دے کر اس شہر کو تباہ کر دیا تھا۔

یدھ ہونا: جنگ ہونا۔ آمنا سامنا ہونا۔ مصنف نے سکندر اعظم اور دارا سوم کے درمیان ہونے والی جنگ کے لیے اس ترکیب کا استعمال کیا ہے۔ ہندی میں دو پہلوانوں کے درمیان جنگ کو "یدھ" کہا جاتا ہے۔

کھیت رہنا: اردو کا محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کام آنا، مر جانا، جان دے دینا، مر مٹنا وغیرہ۔

پانی چوانے والا: مطلب ہے کہ مرتے وقت منھ میں کوئی پانی کے قطرے تک ٹپکانے والا نہ تھا۔ مراد ہے پانی ڈالنے والا۔

vii. اس عبارت کی تلخیص کریں۔

جواب: مصنف دن بارہ بجے شہر عذار پہنچا تو حد نظر تک محلوں اور ستونوں کے کھنڈرات دکھائی دے رہے تھے۔ اسی جگہ پر دارا سوم اور سکندر اعظم کے درمیان لڑائی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں دارا مارا گیا تھا آج اس جگہ پر جدید چیزیں ایک ہسپتال، پیپسی کولا کا سٹال اور ایک ایمبولینس دکھائی دے رہی ہے جب کہ ڈھائی ہزار سال پہلے موت کے وقت دارا کے منھ میں پانی ڈالنے والا کوئی نہ تھا۔ مصنف اپنے بچپن میں سکندر اعظم کو مسلمان سمجھتا تھا اور جن ناموں میں عربی حروف آئیں وہ مسلمان ہیں کیوں کہ اس زمانے میں ان کے نزدیک قومیں فقط دو، یعنی ہندو اور مسلمان، تھیں۔ افسوس کہ سکندر اعظم مصنف کے گاؤں کے قریب سے واپس چلا گیا اگر وہ مصنف کے گاؤں بھی آ جاتا تو اسے بہت خوشی ہوتی۔

(ب) **حصہ نظم:**

مندرجہ ذیل نظمیہ اشعار کو پڑھ کر آخر میں دیے گئے سوالات میں سے تین کے جوابات لکھیں: **(3 x 4 = 12)**

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے — جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات وہ لکڑی گُھنتی ہے
تم گٹھڑی باندھ کپڑے کی اور دیکھ اجل سر دُھنتی ہے — اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بُنتی ہے
تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا — اب موت نقارا باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

سوالات:

i. درج بالا اشعار کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

جواب: زیر نظر بند میں شاعر نے مختلف الفاظ و تراکیب کے ذریعے زندگی کی بے ثباتی اور عارضی پن کو بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ عمر کے ماہ و سال جن پر ہم ناز کرتے ہیں یہ درخت کی ایسی لکڑی کی مانند ہے کہ جس پر ہم بیٹھے ہوں اور اسی کو کاٹ رہے ہوں۔ شاعر کہتا ہے کہ اے انسان اب تو راہِ عدم میں کام آنے والے سامان کی گٹھڑی باندھ لے کیوں کہ موت ہر وقت تیرے سر منڈلاتی رہتی ہے۔ اب تیرا آخری وقت آن پہنچا ہے اور کسی بھی وقت تیری موت کا اعلان ہو جائے گا۔

ii. شاعر نے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں کیا بات بیان کی ہے؟

جواب: شاعر اس مصرعے میں کہتا ہے کہ یہ عمر ہر لمحہ کم ہو کر ہمیں موت کی جانب دھکیل رہی ہے گویا اس کی مثال اس لکڑی کی مانند ہے جسے بہت مضبوط سمجھ کر ہم اس کے سہارے بیٹھے رہتے ہیں لیکن لمحہ لمحہ یہ لکڑی گھن زدہ ہو کر کمزور ہوتی جاتی ہے۔

iii. "اور دیکھ اجل سر دُھنتی ہے" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: "اور دیکھ اجل سر دُھنتی ہے" سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ موت ہر وقت ہمارے سروں پر منڈلاتی رہتی ہے اور مستی کی کیفیت میں ہمہ وقت ہمیں راہ عدم لے جانے کے لیے تیار رہتی ہے۔

FBISE SOLVED PAST PAPERS

iv. "موت نقارا باج چکا" کا مفہوم واضح کریں۔

جواب: "موت نقارا باج چکا" سے مراد یہ ہے کہ تیری موت کا اعلان ہو چکا ہے اور تیری روح کسی بھی وقت قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی۔

یا

بہر گامے سڑک کھا جانے والی کھائیاں دیکھو — چٹختے راستوں کی ٹوٹتی انگڑائیاں دیکھو

کھڑی اُونچائیوں کے پیٹ میں گہرائیاں دیکھو — گڑھوں کی جابجا بہزادیاں، چغتائیاں دیکھو

نقوشِ مانی و چغتائی، و بہزاد یہ سڑکیں

سوالات:

i. چٹختے راستوں کی ٹوٹتی انگڑائیوں کا مفہوم بیان کریں۔

جواب: چٹختے راستوں کی ٹوٹتی انگڑائیوں کا مفہوم یہ ہے کہ ان سڑکوں کو ایک بار تعمیر کرنے کے بعد کبھی ان کی مرمت نہیں کی گئی جس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے گڑھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑی کھائیاں یعنی گہرے گڑھوں میں تبدیل ہو گئے۔ موسمی اثرات کی وجہ سے سڑکوں پر نشیب و فراز ابھر آئے اور سڑک مزید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی ہے۔ ان ٹوٹے پھوٹے راستوں اور گہرے گڑھے و کھائیاں دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ راستے انگڑائیاں لے رہے ہیں۔

ii. درج بالا اشعار میں استعمال ہونے والی صنعتوں کی نشاندہی کریں۔

جواب: شاعر نے سڑکوں پر بننے والے نشیب و فراز کو تین بڑے مصوروں (ایرانی مصوروں مانی و بہزاد اور پاکستانی مصور عبد الرحمٰن چغتائی) کی شاہکار تصویریں قرار دیتے ہوئے صنعتِ تلمیح کا استعمال کیا ہے۔

iii. درج بالا اشعار کی مدد سے ان کی ہیئت کی وضاحت کریں۔

جواب: زیر نظر بند کی ہیئت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نظم کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہے اور اس میں ٹیپ کا مصرع بھی استعمال نہیں ہوا اس لیے اس نظم کے اشعار کی ہیئت مخمس ترکیب بند ہے۔

iv. "نقوشِ مانی و چغتائی و بہزاد یہ سڑکیں" فکری و فنی اعتبار سے وضاحت کریں۔

جواب: "نقوشِ مانی و چغتائی و بہزاد یہ سڑکیں" کا فنی و فکری جائزہ یہ ہے کہ شاعر نے ان تین مصوروں کی تصویروں کے حوالے سے ان سڑکوں کے گڑھوں اور نشیب و فراز کے لیے صنعتِ تلمیح کا استعمال کیا ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح مانی و بہزاد کی تصاویر قدیم ہیں اسی طرح ان سڑکوں کے قیام کو بھی ایک مدت گزر گئی ہے۔ شاعر نے ان سڑکوں کے نشیب و فراز کو ان تین عظیم فن کاروں کی تصاویر قرار دے کر گہرے طنز کا اظہار بھی کیا ہے۔ شاعر نے یہ طنز بڑے لطیف انداز میں کیا ہے۔

(ج) **حصہ غزل:**

مندرجہ ذیل غزلیہ اشعار کو پڑھ کر آخر میں دیے گئے سوالات میں سے کسی ایک کا جواب لکھیں: **(1 x 4 = 4)**

i. غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا — وہ دن گئے، جو کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

ii. لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام — آفاق کی اس کار گہِ شیشہ گری کا

سوالات:

i. پہلے شعر میں "شاہ" سے کون مراد ہے اور شاعر نے اسے دعا دینے کی کیا وجہ بیان کی ہے؟

جواب: پہلے شعر میں "شاہ" سے مراد اس وقت کے شاہِ ہند بہادر شاہ ظفر ہیں۔ جس وقت بہادر شاہ ظفر کو معزول کیا گیا اس سے پہلے کے دور میں غالبؔ دربار سے وابستہ تھے گویا وہ بادشاہ وقت کے ملازم تھے۔ غالبؔ کے مزاج کی ایک اہم بات یہ ہے کہ ان کی شدید نرگسیت یعنی خود پسندی اور انانیت نے ہمیشہ انہیں کسی بادشاہ کی تعریف و توصیف سے روکے رکھا لیکن اب جب کہ وہ دربار سے وابستہ ہو گئے ہیں تو رواجِ زمانہ اور حالات کے جبر نے ان سے یہ کام کروالیا۔ غالب اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے کہتے ہیں اب تم شاہ کو دعا دو کیونکہ اب وہ زمانہ نہیں کہ تم کسی کے ملازم نہیں رہے۔

FBISE SOLVED PAST PAPERS

ii. دوسرے شعر کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

جواب: سانس کا لفظ کار گہِ شیشہ گری سے خاص مناسبت رکھتا ہے کہ ذرا سی غفلت سے سارا کام بگڑ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح زندگی گزارنے کے عمل میں بھی انسان کو ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہیے۔ ذرا سی غفلت سے جذبات و احساسات کی سطح پر انسان کے تمام کام بگڑ جاتے ہیں کیونکہ انسانی جذبات و احساسات آبگینوں کی مانند نازک ہوتے ہیں۔

(د) **حصہ قواعد:**

کوئی سے دو سوالوں کے جوابات لکھیں: (2 x 4 = 8)

i. "نازکی اس کے لب کی کیا کہیے   پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے" اس شعر میں موجود ارکانِ تشبیہ کی نشاندہی کریں۔

جواب: اس شعر میں شاعر نے محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کے پھول کی پنکھڑی سے تشبیہ دی ہے اس شعر میں ارکان تشبیہ کی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

مشبہ: محبوب کے لب   **مشبہ بہ:** پھول کی پنکھڑی

وجہ شبہ: مشترک خوبی، پھول کی پنکھڑی اور لبوں کی نزاکت   **حروفِ تشبیہ:** کی سی

غرضِ تشبیہ: محبوب کے لبوں کی نزاکت کا بیان

ii. ایک مثال دے کر صنعتِ لف و نشر کی تعریف لکھیں۔

جواب: **صنعتِ لف و نشر:** لف کے معنی لپیٹنا اور نشر کے معنی پھیلانا کے ہیں جب کسی شعر میں شاعر پہلے مصرع میں کچھ باتوں کا ذکر کرتا ہے اور دوسرے مصرعے میں اسی کی مناسب کچھ اور الفاظ لائے تو اسے صنعتِ لف و نشر کہا جاتا ہے۔

نہ ہمت، نہ قسمت، نہ دل ہے، نہ آنکھیں   نہ ڈھونڈا، نہ پایا، نہ سمجھا، نہ دیکھا

iii. کنایہ قریب اور کنایہ بعید کی تعریف لکھ کر فرق واضح کریں۔

جواب: **کنایہ:** کنایہ کے لغوی معنی چھپی ہوئی بات کرنے کے ہیں اصطلاح میں کنایہ ایسے لفظ یا لفظوں کو کہا جاتا ہے جو مجازی یا غیر حقیقی معنوں کے لیے استعمال کیے جائیں لیکن اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً بال سفید ہوگئے۔ کنایہ کی دو صورتیں ہیں۔ کنایہ قریب اور کنایہ بعید

1۔ **کنایہ قریب:** یہ وہ صورت ہے جس میں صفت (لازم) کا ذکر کر کے موصوف (ملزوم) مراد لیا جائے۔ مثلاً بقول غالب:

کیوں رد و قدح کرے ہے زاہد   مے ہے یہ، مگس کی قے نہیں ہے

اس شعر میں مگس کی قے سے مراد شہد ہے جو کہ کنایہ قریب کی مثال ہے

2۔ **کنایہ بعید:** اس میں ایسی صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو موصوف کے لیے مخصوص کر دی جاتی ہیں اور تمام صفات مل کر ایک موصوف کا تصور دلاتی ہیں۔ کنایہ کی یہ صورت کچھ غور و فکر کے بعد سمجھ آتی ہے مثلاً بقول غالب:

صبح آیا جانب مشرق مظر   اک نگار آتش رخ سر کھلا

اس شعر میں آفتاب کا کنایہ کیا گیا ہے۔ جو کہ کنایہ بعید کی مثال ہے۔

حصہ سوم (کل نمبر 32)

سوال نمبر 3: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پیراگراف کی تشریح کریں: (6)

الف۔ "اور میں تمہارا باپ نہیں تو پھر کیا ہوں پگلی۔" "بڑے چچا نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا" اور جب آزادی مل جائے گی تو میں اپنی بیٹی کو دلہن بناؤں گا اور بہت شاندار پڑھا لکھا دولہا لاؤں گا، ایں نا؟" انھوں نے بڑی چچی کی طرف دیکھا وہ دونوں ہنسنے لگے مگر عالیہ بڑے چچا کے سینے میں محبت کی گرمی محسوس کر کے دھیرے دھیرے رو رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ اللہ اس ملک کو جلدی سے آزاد کر دے، بڑے چچا اپنے گھر واپس آ جائیں اور پھر شام کو اسی گھر میں لیٹ کر بڑی چچی سے باتیں کریں۔ چھمی کی خیریت پوچھیں، ساجدہ آپا کو میکے آنے کے لیے خط لکھیں، جمیل بھیا کے لیے دلہن تلاش کریں اور شکیل کو ڈھونڈ کر گھر لے آئیں۔

FBISE SOLVED PAST PAPERS

جواب: تشریح:

اس عبارت میں بڑے چچا عالیہ کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میری بیٹی تو فکر نہ کر میں تجھے دلہن بناؤں گا اور بہت شاندار پڑھا لکھا دولہا تیرے لیے لاؤں گا"۔ عالیہ بڑے چچا کے سینے سے لگ کر حقیقی باپ کی سی طمانیت محسوس کر رہی تھی اور دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ بڑے چچا کی تمام خواہشات جلد از جلد پورا کر دے۔ اس ملک کو آزادی مل جائے۔ بڑے چچا کو اپنی دکانوں کا قبضہ مل جائے وہ اپنے گھر واپس آ جائیں پھر شام اسی گھر میں آرام سے لیٹ کر بڑی چچی سے باتیں کریں، اس کی چچازاد بہن چھمی سے اس کی خیریت پوچھیں۔ ساجدہ آپا کو میکے آنے کے لیے خط لکھیں، اس کے چچازاد بھائی جمیل کے لیے دلہن تلاش کریں اور شکیل جو کہ جمیل کا بھائی اور عالیہ کا چچازاد تھا، اسے تلاش کر کے واپس گھر لے آئیں۔

ب۔ میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی ہے؟ اتنا تو کہو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے؟ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی، نہ کتابوں کا بیورا بھجوایا۔ ہاں، مرزا تفتہ نے ہاترس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچوں کتابوں کے آغاز کے ان کو دے آیا ہوں اور اُنھوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے۔ پھر اب ان دو کتابوں کی جلدیں بن جانے کی کیا خبر ہے اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے؟

جواب: تشریح:

اس عبارت میں اگرچہ ابتدا میں مصنف اپنی نثری سادگی کا دعوی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے خطوط اور دیگر نثر کے پر تکلف انداز کو ختم کر کے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ اب دور سے بیٹھ کر باتیں کیا کرو اور ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ غالب جب اپنے دوستوں کو خط لکھتے تھے تو ایسا مکالماتی انداز اختیار کرتے تھے کہ یوں محسوس ہوتا کہ جیسے دو افراد آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہوں۔ اس عبارت میں مصنف اپنے دوست سے شکوہ کرتے ہیں کہ برسوں گزر گئے نہ تو تمھارا کوئی خط آیا، نہ اپنی خیریت لکھی اور نہ ہی کتابوں کے بارے میں کوئی اطلاع دی۔ دراصل ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی غالب کی زندگی کا ایک بڑا سانحہ اور اہم موڑ ثابت ہوئی۔ اس ہنگامے کے نتیجے میں دہلی ایک بار پھر اجڑ گیا، بہت سے لوگ مارے گئے بہت سے لوگ دوسرے علاقوں میں نقل مکانی کر گئے۔ صرف وہی لوگ باقی بچے جن سے انگریزوں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ان میں سے ایک غالب بھی تھے۔ غالب مجلسی زندگی کے دل دادہ تھے اور بڑے تخلیق کار تھے۔ انھوں نے اپنی تنہائی کو دور کرنے اور اپنے ذوق کی تسکین کے لیے عزیز و اقارب اور دوستوں کو خطوط لکھنے شروع کیے۔ بعد میں یہی خطوط اردو نثر کے لیے ایک خطیر ادبی سرمایا ثابت ہوئے۔ اس عبارت کے آخر میں مصنف اپنی کتابوں کی طباعت اور تیاری کے بارے میں مرزا حاتم سے دریافت کرتے ہیں کہ مرزا تفتہ نے ہاترس سے خبر دی ہے کہ پانچ کتابوں کی تیاری تقریباً مکمل ہو چلی ہے لیکن ابھی موصول نہیں ہوئیں، آخر ان کی تیاری میں اب کس وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے۔

سوال نمبر 4: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظمیہ جزو کی آسان لفظوں میں تشریح کریں: (7)

الف۔ ہاتھوں پہ لے کے اس کو چلے شاہِ کربلاؑ — اور ساتھ ساتھ گود کو کھولے ہوئے قضا
لکھا ہے دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا — اصغرؑ پہ ماں نے ڈال دی اُجلی سی اک ردا
چادر نہ تھی وہ چہرۂ پر آب و تاب پر — ٹکڑا سفید اَبر کا تھا آفتاب پر

جواب: تشریح:

اس بند میں شاعر نے واقعات کربلا کے حوالے سے حضرت امام حسینؑ کے سب سے چھوٹے فرزند شہزادہ علی اصغرؑ کی شہادت کا حال بیان کیا ہے۔ شہزادہ علی اصغرؑ بوقت شہادت چھ ماہ کے تھے۔ 10 محرم الحرام کے دن جب سب شہید ہو گئے اور بچوں کی پیاس بجھانے کے لیے دریا سے پانی لانے والا کوئی نہ رہا تو حضرت امام حسینؑ اپنے فرزند علی اصغرؑ کو گود میں اٹھا کر میدانِ کربلا میں یزیدی لشکر کے سامنے آئے اور ان سے اس معصوم بچے کی پیاس بجھانے کے لیے پانی طلب کیا۔ اس منظر کو شاعر نے اس بند میں بیان کیا ہے کہ جب امام حسینؑ علی اصغر کو گود میں لے کر میدانِ کربلا آئے تو گویا ان کی موت کو لے کر میدان میں آ گئے۔ اس لیے کہ اب تک جو میدان میں گیا زندہ واپس نہ آیا اور یزیدی فوج نے اسے شہید کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ کو بھی علم تھا کہ اب ان کا شش ماہا فرزند شہید ہو جائے گا۔ اس وقت میدانِ کربلا میں سخت گرمی تھی اور گرم ہوا چل رہی تھی اس لیے شہزادہ علی اصغرؑ کی ماں حضرت اُمِّ رباب نے اصغرؑ کے چہرے پر ایک چادر ڈال دی۔ شاعر یہاں تشبیہ کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے کہ علی اصغرؑ کے پُر نور چہرے پر وہ سفید چادر یوں معلوم ہوتی تھی کہ جیسے چمکدار سورج کے سامنے کوئی سفید بادل کا ٹکڑا آ گیا ہو۔

FBISE SOLVED PAST PAPERS

ب۔ بس اے نا امیدی نہ یوں دل بجھا تو — جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو

ذرا نااُمیدوں کی ڈھارس بندھا تو — فسُردہ دلوں کے دل آکر بڑھا تو

تیرے دم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں — جلی کھیتیاں تو نے سر سبز کی ہیں

جواب: تشریح:

اس بند میں شاعر امید اور نا امیدی کی کار فرمائیوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے امید اب تو اپنی جھلک دکھا اور اے نا امیدی تو ہمارے دلوں کو اور مایوس نہ کر۔ اے امید ذرا ان نا امیدوں کا حوصلہ بڑھا جنھیں چند ناکامیوں اور محرومیوں نے مایوس کر دیا ہے۔ وہ دل جو غموں اور دکھوں سے معمور ہیں ان میں پھر سے امیدوں کے چراغ روشن کر۔ تو ہی تو ہے جو مُردوں میں بھی زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتی ہے۔ اور جس سے جلی ہوئی کھیتیاں بھی ایک بار پھر سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔

شاعر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی، نعمت اور محرومی درحقیقت زندگی کے مختلف موسموں کی طرح ہیں مگر انسان جب کسی ناکامی سے ہم کنار ہوتا ہے یا اسے کسی غم کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا زندگی صرف دکھوں، غموں اور ناکامیوں سے عبارت ہے۔ یہ ایک غلط تصور ہے جو انسان کو سست، کاہل اور بے عمل بنا کر اس کی زندگی میں مزید ناکامیوں اور محرومیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے حالات میں انسان کو امید کی شدت سے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہی انسان کو احساس محرومی اور مایوسی سے نکال کر زندگی کی جولانگاہ میں پھر سے کوشش و عمل کے قابل بناتی ہے اور کامیابی کی راہ ہموار کرتی ہے۔

شاعر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حیات انسانی میں حالات بدلتے رہتے ہیں مگر صرف انہی کے بدلتے ہیں جو امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، اسی لیے وہ محرومی و ناکامی کے اندھیروں میں امید کی شمع روشن کرنا چاہتے ہیں کہ یہی محرومیوں اور ناکامیوں کے اندھیروں کا علاج ہے۔ زیر تشریح اشعار میں شاعر نے اسی حوالے سے امید کو مخاطب کر کے نا امیدوں اور دکھی دلوں کا حوصلہ بڑھانے کو کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے امید جس طرح تو نے جلی کھیتیاں سرسبز کی ہیں اسی طرح تو بجھے ہوئے دلوں میں بھی اجالا کر دے تاکہ وہ پھر سے زندگی کی مثبت اور تعمیری سرگرمیوں میں شامل ہو جائیں۔

سوال نمبر 5: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک غزلیہ جزو کی تشریح کیجیے: (3+3+3=9)

الف: مت عبادت پہ پھولیو زاہد — سب طفیل گناہِ آدم ہے

سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف — جس کے ہاتھ آوے جام سو جم ہے

اپنے نزدیک باغ میں تجھ تربن — جو شجر ہے سو ماتم ہے

جواب: تشریح:

پہلے شعر میں شاعر زاہد سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے زاہد و عابد تو جو اتنی عبادات میں مشغول رہتا ہے تو اپنی عبادت اور ریاضت پر اتنا غرور نہ کر اس لیے کہ یہ عبادت تو حضرت آدم کی ایک غلطی کے طفیل تجھے نصیب ہوئی ہے اگر ان سے غلطی سرزد نہ ہوئی ہوتی تو اس دنیا میں نہ تو ہوتا اور نہ کوئی اور انسان ہوتا۔ تجھے اس عبادت کی جو توفیق میسر آئی ہے اس میں تیرا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو آدم کی وجہ سے تجھے ملی ہے۔ یہاں پر شاعر حضرت آدم کی تلمیح کے ذریعے بات کرتا ہے کہ خدا نے آدم کو تخلیق کیا اور اس کے لیے کچھ حدود مقرر کر دیں لیکن آدم شیطان کے بہکاوے میں آکر خدا کی حکم عدولی کا مرتکب ہوا۔ جس کی وجہ سے اسے اس دنیا میں پھینک دیا گیا۔ خدا نے آدم کو دوبارہ جنت میں داخل ہونے کے لیے کچھ معیار مقرر کر دیئے جن میں انسان کی عبادت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ شاعر بھی تصوف کے رنگ میں ان زاہدوں اور عابدوں پر طنز کرتے ہیں جو ایک تو عبادت کا دکھاوا کرتے ہیں اور دوسرے اپنی عبادت پر غرور کرتے ہوئے خاص طور پر عاشق صادق اور تصوف کے بندوں کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی لیے ایک درویش اور عاشق صادق اس قسم کے ریاکار زاہدوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ عشقِ حقیقی کی شراب سے مست ہو کر اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد میں گم ہو جائیں۔ میر درد اس مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر — اے درد آ کے بیعتِ دستِ سبو کریں

دوسرے شعر میں شاعر ایک تلمیح کے ذریعے اس دنیا کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کا جاہ و جلال انسان کو قسمت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس دنیا کی شان و شوکت اور حکومت و سلطنت کو ثبات حاصل نہیں ہے یہ کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے۔ یہاں شاعر جامِ جم کی تلمیح استعمال کرتا ہے کہ قدیم ایران میں ایک افسانوی بادشاہ جمشید تھا جس کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں دنیا کے حالات اور مستقبل کے حالات دیکھا کرتا تھا۔ اس کی بدولت ہی اسے بادشاہت اور شان و شوکت حاصل ہوئی۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ سلطنت و حکومت ایک تو قسمت سے ملتی ہے دوسرا یہ عارضی ہے۔ اس لیے دنیا کی مال و دولت پر انسان کو گھمنڈ اور تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ ذرا سی زمانے کی ہوا بدلتی ہے اور انسان قسمت کی گردش میں آتا ہے تو سب کچھ اس

FBISE SOLVED PAST PAPERS

کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ بس جب تک قسمت مہربان رہتی ہے تو انسان کی دسترس میں سب کچھ رہتا ہے۔ گویا جس کے ہاتھ میں جام جمشید آ جائے وہی بادشاہ بن جاتا ہے۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر بھی معزول ہونے کے بعد اپنی دلی کیفیات کو اس شعر میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

ے بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ　　　قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں

تیسرے شعر میں شاعر ایک عاشقِ صادق کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب تیرے بنا اس دنیا میں کسی شے میں کوئی حسن وخوبی دکھائی نہیں دیتی۔ ویسے تو یہ دنیا ہنگاموں اور رونقوں سے پُر سمجھی جاتی ہے لیکن عاشق کے لیے اس دنیا کی ہر شے محبوب کے بغیر بے رنگ و بے رونق دکھائی دیتی ہے۔ اس اعتبار سے شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس باغ میں ہر شجر ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے کہ وہ ماتم زدہ ہو اور اس غم زدگی کے عالم میں بالکل بے رنگ معلوم ہوتا ہے۔ ویسے تو شجر چاہے کتنا ہی سر سبز و شاداب ہو لیکن اے محبوب اگر تو اس باغ میں موجود نہیں تو صرف میں ہی نہیں اس باغ کی ہر شے اداس دکھائی دیتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب باغ کی رنگینی چاہے کتنی ہی عروج پر ہو لیکن تیرے بغیر ان پھولوں میں تیری کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ بقول شاعر:

ے گزشتہ وقت یاد آتا ہے ان ظالم بہاروں میں　　　گلوں کے درمیاں تیری کمی محسوس ہوتی ہے

تصوف کے حوالے سے باغ سے مراد یہ دنیا ہے۔ ایک عاشق اپنے محبوبِ حقیقی کے بغیر اس دنیا میں لحہ لحہ تڑپتا ہے اور ہمہ وقت اس کے دیدار کے لیے غم زدہ رہتا ہے۔ اسے اس دنیا کی کسی شے میں حسن وخوبی نظر نہیں آتی وہ ہر وقت اپنے محبوبِ حقیقی سے ملاقات کے لیے تڑپتا ہے۔ اس دنیا کی حسین چیزیں بھی اس کے لیے لذت کی بجائے اذیت کا سامان بن جاتی ہیں۔

ب:　یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے　　　لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
حد چاہیے سزا میں، عُقُوبت کے واسطے　　　آخر گنہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے　　　لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

جواب: شعر نمبر 1 کی تشریح:

شاعر کہتے ہیں کہ اے میرے رب یہ زمانہ مجھے مٹانے پر کیوں تُلا ہوا ہے میں ایک باصلاحیت انسان ہوں کوئی حرفِ مکرر نہیں ہوں۔ شاعر دراصل یہاں زمانے کی ناقدری کا گلا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ زمانہ مجھے مسلسل تباہ و برباد بلکہ فنا کرنے پر تلا ہوا ہے حالانکہ میں کوئی دوبار لکھا گیا حرف نہیں ہوں جو زائد ہو اور غیر ضروری ہو۔ میں تو ایسی صلاحیتوں کا مالک ہوں جو زمانے میں بہت کم لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ یہاں شاعر نے شاعرانہ تعلی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو ایک عظیم انسان بھی قرار دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ غالب ایک عظیم شاعر تھے لیکن ان کے زمانے میں ان کی وہ قدر نہ ہوئی جس کہ وہ حق دار تھے۔ اسی لیے انہیں ساری زندگی اپنی ناقدری کا گلا رہا۔ ان کی رائے میں زمانے نے انہیں صحیح مقام نہیں دیا اور تاریخ نے بعد میں ثابت کر دیا کہ وہ غلط نہیں کہتے تھے۔ ان کے دور میں ان سے کم صلاحیتوں کے مالک شاعر ابراہیم ذوق بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر رہے اور درباری شاعر بنے حالانکہ یہ مقام غالب کو ملنا چاہیے تھا۔ اسی لیے زیر نظر شعر میں شاعر نے زمانے کی ناقدری کا گلاہ اپنے رب سے کیا ہے کہ یہ زمانہ ان کی عظمت سے واقف نہیں ہے ورنہ وہ ہمیں سر پر بٹھاتا۔ اس کے برعکس یہ زمانہ تو ہمیں اس طرح مٹانے میں مصروف ہے جیسے ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

شعر نمبر 2 کی تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میں گناہ گار ضرور ہوں لیکن کافر نہیں ہوں کہ جسے ایسی سزا ملے کہ جو کبھی ختم ہی نہ ہو۔ اس لیے میرے گناہوں کی سزا کی کوئی حد ہونی چاہیے۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں گناہ گار ضرور ہوں مگر دولت ایمان سے محروم نہیں ہوں۔ یعنی خدا کی ذات کا منکر نہیں ہوں۔ اس لیے میرا معاملہ کافر جیسا نہیں ہو سکتا۔ کافر کے لیے تو ہمیشہ کی سزا ہے مگر ایمان والوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان سے جو خطائیں بحیثیت بشر کے سرزد ہوئی ہیں۔ اول تو اللہ تعالیٰ غفور الرّحیم ہے وہ میری خطائیں معاف کر دے گا لیکن اگر مجھے ان کی سزا بھی ملے گی تو مسلمان ہونے کی وجہ سے اس سزا کے بعد میں جنت کا حقدار بن جاؤں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس شعر میں صرف سزا و جزا کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کے پسِ منظر میں شاعر کے ذاتی حالات بھی کار فرما ہیں۔ غالب کی ذاتی زندگی بے شمار مسائل کا شکار رہی۔ اسے ساری زندگی یہ احساس رہا کہ اس کی شاعرانہ تخلیقی صلاحیتوں کی جیسی قدر ہونی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی اور اس حوالے سے وہ تمام عمر ناقدری کا شکار رہے۔ اس وجہ سے غالب کو اپنی ساری زندگی سزا محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں کافر نہیں ہوں جس کی سزا دائمی ہوتی ہے۔ میں صاحب ایمان ہوں اگر مجھ سے کچھ خطائیں سرزد ہو بھی گئی ہیں تو ان کی سزا کی کوئی حد ہونی چاہیے۔ اس طرح سے میری ساری زندگی سزا نہیں بنا دینا چاہیے۔

FBISE SOLVED PAST PAPERS

شعر نمبر 3 کی تشریح:

اس شعر میں شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم کسی قیمتی پتھر کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ جو لعل و زمرد و گوہر تمھارے سامنے لایا جاتا ہے اس کا حسن تمھارے سامنے ٹھہر نہیں پاتا اور وہ ماند پڑ جاتا ہے اس لیے ان میں سے کوئی بھی تمھیں عزیز نہیں، یوں بھی قیمتی پتھر تو حسن کے مظہر ہیں اس لیے وہ تمھارے پیارے نہیں ہو سکتے۔ اس اعتبار سے وہ تمھارے حریف تو ہو سکتے ہیں عزیز کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

اس دلیل کی روشنی میں شاعر کہتا ہے کہ میں تمھارا عاشق صادق ہوں کوئی لعل و زمرد و گوہر نہیں ہوں، اس اعتبار سے میں تمھیں عزیز ہونا چاہیے تھا۔ میں چونکہ حسن کا مظہر نہیں ہوں اس لیے میں کسی طرح تمھارا حریف نہیں ہو سکتا۔ میں تو تمھارے عشق کا مظہر ہوں اور عشق تو حسن کو چار چاند لگانے والا ہوتا ہے۔ سو ظاہر ہے جس سے کسی کے حسن میں اضافہ ہوتا ہو وہ اسے عزیز ہونا ہی چاہیے۔

شاعر کہتا ہے لعل و زمرد و گوہر تو حسن کی وجہ سے محبوب کے دشمن ہو سکتے ہیں لیکن مجھ سے محبوب کی دشمنی ناقابلِ فہم ہے کیونکہ وہ محبوب کا حریف نہیں حلیف ہوں۔ شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب چاہے لعل و زمرد و گوہر کو عزیز نہ رکھو لیکن چونکہ میں تمھارا سچا عاشق ہوں اس لیے مجھے عزیز ضرور رکھو۔

سوال نمبر 6: والدہ کی شفایابی پر والد کے نام خط لکھیں۔ (5)

جواب: **<u>والدہ کی شفایابی پر والد کے نام خط</u>**

امتحانی مرکز

۱۰ مئی ۲۰۲۲ء

پیارے ابا جان!

السلام علیکم!

امید ہے آپ باخیریت ہوں گے۔ ہم سب لوگ بشمول والدہ صاحبہ بھی اب بالکل خیریت سے ہیں۔ گزشتہ دنوں آپ کا ارسال کردہ خط موصول ہوا جس میں آپ نے والدہ صاحبہ کی علالت کے بارے میں تشویش اور پریشانی کا اظہار کیا۔

محترم ابا جان! آپ کی تسلی کے لیے سب سے پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ والدہ صاحبہ اب بفضلِ تعالیٰ بالکل خیریت سے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ روزگار کے سلسلے میں کافی عرصے سے بیرونِ ملک مقیم ہیں اور شروع سے ہی والدہ صاحبہ نے گھر کے تمام امور کی ذمہ داری سنبھال رکھی ہے۔ گزشتہ دنوں اچانک گرمی نے زور پکڑ لیا۔ گھر اور بازار کے کاموں کی وجہ سے والدہ صاحبہ تھکن اور جسم میں پانی کی کمی کا شکار ہو کر ایسی نڈھال ہوئیں کہ ان پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ہم سب پریشانی کے عالم میں انھیں ہسپتال لے گئے جہاں ڈاکٹر نے ان کا فوری علاج کیا اور ہمیں تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے بس ذرا کاموں کی زیادتی اور گرمی کی وجہ سے ان کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی ایک دن آرام کرنے سے ان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ دو تین دن کے آرام اور صحت کا خیال رکھنے کی وجہ سے اب والدہ صاحبہ پہلے کی طرح بالکل تندرست اور شفایاب ہو گئی ہیں۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں ہم ان کا اب پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھے ہوئے ہیں۔

باقی یہاں پر سب خیریت ہے سب چھوٹے بہن بھائی اور والدہ صاحبہ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ اچھا اب میں اجازت چاہوں گا کیونکہ رات کافی ہو گئی ہے اور صبح کالج بھی جانا ہے۔

والسلام

آپ کا بیٹا

ا۔ب۔ج۔

سوال نمبر 7: "سانچ کو آنچ نہیں" کے عنوان پر کہانی لکھیں۔ (5)

جواب: **کہانی:**

یہ کہاوت مشہور ہے کہ جیت ہمیشہ سچ کو ہوتی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رات کے اندھیرے میں ویران راستے پر ایک قافلہ رواں دواں تھا کہ اچانک شور اٹھا کہ "ڈاکو آ گئے"، "ڈاکو آ گئے"۔ آن کی آن ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو گھیر لیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اس قافلے میں ایک نوعمر لڑکا بھی موجود تھا جو ایک کونے میں خاموش کھڑا یہ تمام کاروائی دیکھ رہا تھا کہ ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور اس سے دریافت کیا کہ تمھارے پاس کیا ہے؟ لڑکے نے بڑے اعتماد اور سچائی سے جواب دیا کہ میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔ ڈاکو نے اس کی سرسری تلاشی لی مگر اس لڑکے سے کچھ برآمد نہ ہوا۔ اسی اثنا میں دوسرا ڈاکو بھی آ گیا۔ اس

FBISE SOLVED PAST PAPERS

کے استفسار کرنے پر لڑکے نے اسے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر وہ دونوں ڈاکو اس لڑکے کو اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ سردار نے لڑکے سے وہی سوال کیا کہ "تیرے پاس کیا ہے"؟ لڑکے نے اطمینان سے جواب دیا کہ "چالیس اشرفیاں"۔

سردار کے مزید دریافت کرنے پر لڑکے نے بتایا کہ یہ اشرفیاں میرے کرتے کی اندرونی تہہ میں سلی ہوئی ہیں۔ کرتے کی اندرونی تہہ کھولی گئی تو واقعی وہاں سے چالیس اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ سردار نے حیرت سے کہا کہ تو نے اس طرح سچ کیوں بولا؟ اگر تو چاہتا تو آسانی سے جھوٹ بول کر یہ اشرفیاں ہم سے بچا سکتا تھا۔

اس پر لڑکے نے جواب دیا کہ میری ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ "حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، بیٹا ہمیشہ سچ بولنا"۔ اس لیے میں جھوٹ بول کر اور ماں کی نافرمانی کر کے گناہ گار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لڑکے کی اس بات کا ڈاکو سردار کے دل پر گہرا اثر ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ میں کتنا گناہ گار ہوں، لوگوں کو لوٹتا ہوں تو اللہ کے حضور میرا کیا حال ہو گا۔ یہ سوچ کر وہ تائب ہو گیا۔ اس نے قافلے کو لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور آئندہ کے لیے ہمیشہ اپنے اس بُرے پیشے سے توبہ کر لی۔ یہ نو عمر لڑکا بغداد میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ جس کے ایک سچ سے نہ صرف اس کے اور قافلے والوں کے مال پر کوئی آنچ نہ آئی بلکہ ایک گناہ گار ڈاکو بھی تائب ہو کر نیک انسان بن گیا۔ یہی لڑکا بڑا ہو کر ایک بڑے عالم بزرگ حضرت عبد القادر جیلانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ سچ ہے کہ "سانچ کو آنچ نہیں"۔

* * * * *

FBISE SOLVED PAST PAPERS